Research Journal Tahqeed تحقیق تحقیقی مجلہ
eISSN:2789-6331
pISSN:2789-4169
Published: 30-06-2026

Volume 07, Issue 01 جلد 07، شمارہ 01

اکیسویں صدی کے اُردو سفر ناموں میں تہذیبی اور ثقافتی شعور

Cultural and Civilizational Consciousness in Twenty-First Century Urdu Travelogues

سعدیہ ہاشم

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، دی امپیریل کالج آف بزنس اسٹڈیز، لاہور

ڈاکٹر جاوید اقبال جاوید

ایسوسی ایٹ پروفیسر / صدر شعبہ اُردو، دی امپیریل کالج آف بزنس اسٹڈیز، لاہور

Sadia Hashim

PhD Scholar, Department of Urdu, The Imperial College of Business Studies, Lahore

Dr. Javed Iqbal Javed

Associate Professor/Head, Department of Urdu, The Imperial College of Business Studies, Lahore

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2026 by the authors. This is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) license

Abstract

This article examines the evolution of travelogue over the centuries. It comments on the way travelogues of past were based on the geographical specifications and served as an accurate description of the physical aspects of a space, an exercise that would help familiarise the audience with the place itself without giving away much of author's inner life. On the other hand the evolving through the late 20th and early 21st centuries has resulted in a new trend where the author centers himself in the narrative. Modern travelogue spans accross the geographical as well as the inner world of the author at the time of those travels, serving as a recollection of everything that the narrator felt as he travelled through the world and how it impacted him as a p*erson*.

Keywords: Cultural Identity, Post-Partition Literature, Comparative Civilizations, Digital Media Impact, Narrative Technique,Local Traditions, Anwar Sadeed, Intizar Hussain

اکیسوی صدی کے سفر ناموں میں جہاں زبان و بیان اور اسلوب میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہوئیں وہاں تہذیبی اور ثقافتی شعور میں بھی کافی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں اس کی وجہ سوشل میڈیا اور گلوبلائزیشن ہے جس کی بدولت مصنف بہت سی انجان چیزوں سے بھی واقفیت حاصل کر سکا۔ لہٰذا اس دور کے سفر نامے تہذیبی اور ثقافتی شعور کے طاقتور ترین عکاس بن چکے ہیں اب یہ سفر نامے مشرق و مغرب اور دوسرے پاکستانی صوبوں اور خطوں کے درمیان دوری کی خلیج کو کم کرنے کا سبب بن رہے ہیں اور مکالمے کو فروغ دے رہے ہیں۔ ماضی میں سفر نامہ محض مصنف کی بیان کردہ آپ بیتی ہی معلوم ہوتی تھی اور وہ صرف اپنے سفر کا احوال اور علاقائی ماحول کا بیان کرتا تھا لیکن اب مصنفین کسی دوسرے ملک کی

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید eISSN:2789-6331 pISSN:2789-4169 Published: 30-06-2026
Volume 07, Issue 01 جلد07، شمارہ01

ثقافت کو کم تر سمجھنے کی بجائے ان کی انفرادیت کو تسلیم کرتے ہوئے قارئین کو مقامی روایات کی گہرائی اور خوبصورتی سے بھی روشناس کرواتے ہیں۔ جدید سفر ناموں میں اس صورت حال کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح گلوبلائزیشن مقامی تمدن اور شناخت پر اثر انداز ہو رہی ہے اور ہر خطے کے لوگ کس طرح اپنی ثقافت کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

ابتدا میں سفر نامے کسی بھی علاقے کی تاریخی عمارتوں کی خوبصورتی یا ان کی محض تصویر کشی ہی کرتے تھے لیکن اب اس بیان سے بڑھ کر ان تاریخی عمارتوں کے پیچھے چھپی ہوئی سماجی اور تہذیبی اقدار و روایات کے ارتقا کی داستان بھی بیان کرتے ہیں۔ اکیسویں صدی کا سیاح صرف مناظر اور مقامات ہی نہیں دیکھتا بلکہ وہاں کے عوام کے طرز زندگی، نفسیاتی مسائل اور سماجی رویوں کا تجزیہ بھی کرتا ہے جس کی وجہ سے ہر خطے کے بارے میں گہرا سماجی و ثقافتی شعور بیدار ہوتا ہے تو یوں انٹرنیٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے انسانوں کو گھر بیٹھے ہوئے بھی انجان اور دور کے ملکوں کی سیر کرانے کا بہترین انتظام کیا ہے۔ اکیسویں صدی کے سفر نامہ نگار نے اپنے سفر ناموں کو محض جغرافیائی حدود تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ علاقائی رہن سہن، رسم و رواج، طور طریقوں، عادات و اطوار کے علاوہ تہذیب، سیاسی اور اخلاقی صورت حال سے بھی آگاہی دی ہے۔ سفر نامہ درحقیقت سیاحوں اور صداقتوں کا مظہر ہے کسی بھی علاقے کی ثقافت اور رہن سہن کی سچی تصویر پیش کرنا ہی سفر نامے کے فن کو جلا بخشتا ہے یہی وجہ ہے کہ جدید دور کا سفر نامہ اپنے منفرد اسلوب کے باعث ہی قارئین کو پڑھنے پر مجبور کرتا ہے ایک ایسا سفر نامہ جو داستانوی رنگ، افسانوی فضا، ناول جیسی دلچسپی، خوبصورت منظر نگاری اور حقیقی اور سچی آپ بیتی کا حسن رکھتے ہوئے جگ بیتی کی لذت فراہم کرتا ہے تو وہ قاری کے شعور اور تہذیب و ثقافت کو جاننے کا باعث بنتا ہے۔ جدید سفر نامہ نگاروں نے اپنے تخلیقی شعور اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تجربات و مشاہدات کی رنگا رنگی نے سفر ناموں کو تنوع بخشا۔ قدیم دور کی طرح فنی اعتبار سے روزنامچوں اور ڈائریوں میں سفر کی روداد درج کرنے کی بجائے اب سفر نامہ نگار نے موبائل فون اور ڈیجیٹل کیمرے کے سہارے اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور اندازِ بیان کی خوبصورتی کے ساتھ سفر نامے کی صنف کو خوبصورت ادبی بلندی تک پہنچایا۔ سفر نامہ کی تکنیک میں سب سے اہم چیز مصنف کی قوتِ مشاہدہ ہے۔ مصنف کا قوتِ مشاہدہ جتنا بھی قوی ہو گا اس کی رائے اتنی ہی معتبر جانی جائے گی۔

درحقیقت سفر نامہ بیانیہ اصنافِ ادب کی ان اہم اور مؤثر اصناف میں شمار ہوتا ہے جن میں حقیقت، مشاہدہ، تجربہ اور تخلیقی اظہار ایک دوسرے سے اس طرح ہم آہنگ ہو جاتے ہیں کہ قاری نہ صرف ایک نئے جغرافیے سے آشنا ہوتا ہے بلکہ مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور انسانی رویوں کو بھی قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع حاصل کرتا ہے۔ دیگر بیانیہ اصناف کی طرح سفر نامہ بھی ایک داستان یا بیانیہ تشکیل دیتا ہے، تاہم اس کی انفرادیت اس امر میں مضمر ہے کہ اس کی بنیاد تخیل کے بجائے حقیقی مشاہدات اور عملی تجربات پر استوار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کامیاب سفر نامہ ادبی لطافت کے ساتھ ساتھ تاریخی، تہذیبی، ثقافتی اور سماجی اعتبار سے بھی ایک معتبر دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں مصنف اپنے سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات، مختلف مقامات کی جغرافیائی خصوصیات، لوگوں کے طرزِ زندگی، رسم و رواج، معاشرتی اقدار، مذہبی رویوں، معاشی سرگرمیوں اور تمدنی روایات کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ قاری خود کو اس سفر کا شریک محسوس کرنے لگتا ہے۔

سفر نامے کی فنی کامیابی بنیادی طور پر دو اہم عناصر پر منحصر ہوتی ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ سفر کے واقعات میں جدت، تنوع، ندرت اور تجسس پایا جائے۔ اگر سفر میں پیش آنے والے واقعات معمولی، غیر دلچسپ یا محض معلوماتی نوعیت کے ہوں تو سفر نامہ اپنی کشش کھو دیتا ہے۔ اس

کے برعکس جب سفر نامہ نگار نئے علاقوں، منفرد ثقافتوں، غیر مانوس معاشرتی رویوں، تاریخی آثار، قدرتی مناظر اور غیر معمولی تجربات کو اپنے مشاہدات کا حصہ بناتا ہے تو اس کی تحریر میں تازگی اور دل چسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری اہم شرط اندازِ بیان ہے۔ محض عمدہ مشاہدات ہی کافی نہیں ہوتے بلکہ ان مشاہدات کو مؤثر، دل نشیں، شگفتہ، رواں اور ادبی پیرائے میں پیش کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ زبان کی لطافت، اسلوب کی دل آویزی، منظر نگاری کی قوت، مکالمے کی برجستگی، طنز و مزاح کی چاشنی، جذبات کی صداقت اور فکری گہرائی وہ عناصر ہیں جو ایک عام سفر نامے کو اعلیٰ ادبی تخلیق میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ایک معیاری سفر نامہ نگار صرف ایک سیاح نہیں بلکہ ایک حساس مشاہد، باریک بیں تجزیہ نگار، ثقافتی مبصر اور سماجی مفکر بھی ہوتا ہے۔ وہ مختلف معاشروں کا مشاہدہ کرتے ہوئے صرف ان کے ظاہری حسن یا تاریخی مقامات کی منظر کشی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان کی تہذیبی بنیادوں، ثقافتی اقدار، سماجی ساخت، معاشی نظام، تعلیمی اداروں، سیاسی رویوں اور مذہبی رجحانات کا بھی گہرا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کے مشاہدات میں وسعتِ نظر، غیر جانب داری اور حقیقت پسندی نمایاں ہوتی ہے۔ وہ نہ تو کسی قوم کی غیر ضروری مدح سرائی کرتا ہے اور نہ ہی تعصب یا پیشگی رائے کی بنیاد پر تنقید کرتا ہے، بلکہ ہر معاشرے کو اس کے اپنے تاریخی، ثقافتی اور سماجی پس منظر میں سمجھنے اور پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی طرزِ فکر سفر نامے کو علمی اعتبار سے معتبر اور ادبی اعتبار سے مؤثر بناتا ہے۔

ایک اچھے سفر نامے کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختلف تہذیبوں کے اختلافات کو بیان کرتے ہوئے بھی بنی نوعِ انسان کی بنیادی وحدت اور مشترکہ انسانی اقدار کو اجاگر کرتا ہے۔ زبان، نسل، مذہب، رنگ، جغرافیہ اور ثقافت کے تنوع کے باوجود محبت، امن، احترام، ایثار، خاندانی رشتے، حسنِ سلوک اور باہمی تعاون جیسی قدریں پوری انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ ایک باشعور سفر نامہ نگار انہی مشترکہ اقدار کو نمایاں کرتا ہے اور قاری کو یہ احساس دلاتا ہے کہ دنیا کی مختلف تہذیبیں اگرچہ ظاہری طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن ان کی بنیادیں انسانی فطرت اور مشترکہ اخلاقی اصولوں پر استوار ہیں۔ یہی شعور بین الثقافتی ہم آہنگی، رواداری اور عالمی اخوت کو فروغ دیتا ہے۔ اسی طرح ایک معیاری سفر نامہ اجنبی ممالک، شہروں اور معاشروں کا درست، متوازن اور حقیقت پر مبنی تعارف پیش کرتا ہے۔ اس میں نہ تو مبالغہ آرائی کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ہی حقائق کو مسخ کرنے کی۔ سفر نامہ نگار اپنی دیانتِ علمی اور مشاہداتی صداقت کے ذریعے ایسے حقائق سامنے لاتا ہے جو قاری کے علم میں اضافہ کرتے ہیں اور اس کی فکری بصیرت کو وسعت بخشتے ہیں۔ اس کی تحریر معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی لطف، فکری گیرائی، تجزیاتی بصیرت اور جمالیاتی حسن سے بھی مزین ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کامیاب سفر نامہ قارئین کے لیے نہ صرف دل چسپی کا باعث بنتا ہے بلکہ ان کے ذہن میں نئے سوالات پیدا کرتا، ان کے زاویۂ نظر کو وسعت دیتا اور مختلف تہذیبوں کے بارے میں مثبت اور متوازن شعور پیدا کرتا ہے۔

اکیسویں صدی میں سفر نامہ نگاری کے دائرۂ کار میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوئی ہے۔ جدید ذرائع نقل و حمل، عالمی روابط، ڈیجیٹل میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی نے سفر کو آسان بنانے کے ساتھ ساتھ سفر نامے کی فکری اور فنی جہات کو بھی وسعت دی ہے۔ معاصر سفر نامہ اب صرف ایک سیاح کی روزنامچہ نما روداد نہیں رہا بلکہ یہ ایک باشعور فرد کے تجربات، مشاہدات، تاثرات، احساسات اور وارداتِ قلبی کا جامع اظہار بن چکا ہے۔ جدید سفر نامہ نگار خارجی دنیا کے مشاہدات کو اپنی داخلی کیفیات، فکری زاویۂ نظر اور تہذیبی شعور کے ساتھ اس انداز میں مربوط کرتا ہے کہ اس کی تحریر محض واقعات کا مجموعہ نہیں رہتی بلکہ ایک مکمل ادبی، تہذیبی اور فکری بیانیہ بن جاتی ہے۔

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید eISSN:2789-6331 pISSN:2789-4169 Published: 30-06-2026

Volume 07, Issue 01 جلد 07، شمارہ 01

موجودہ دور کا سفر نامہ محض راستوں، شہروں اور مناظر کی کہانی نہیں بلکہ انسان، تہذیب، ثقافت، تاریخ، معاشرت اور وقت کے باہمی تعلقات کی ایک جامع، تخلیقی اور تنقیدی تعبیر ہے۔ یہی خصوصیات اسے اُردو نثر کی دیگر اصناف میں ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہیں اور اسے عصرِ حاضر کی ایک مؤثر، بامعنی اور ہمہ جہت ادبی صنف کے طور پر مستحکم کرتی ہیں۔ڈاکٹر انور سدید کے مطابق:

سفر نامہ اُردو ادب کی اہم بیانیہ اصناف میں شمار ہوتا ہے، جس کی بنیاد حقیقی سفر اور اس کے دوران حاصل ہونے والے مشاہدات و تجربات پر استوار ہوتی ہے۔ چونکہ سفر نامہ ذاتی مشاہدات اور چشم دید واقعات کی عکاسی کرتا ہے، اس لیے سفر اس صنف کا بنیادی اور ناگزیر عنصر ہے۔ انسان فطری طور پر نئے مقامات، مختلف تہذیبوں، اجنبی ماحول اور غیر مانوس مناظر کو دیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ یہی جستجو اور تجسس اسے سفر اختیار کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ سفر کے دوران حاصل ہونے والے تجربات نہ صرف مسافر کی شخصیت اور فکر میں وسعت پیدا کرتے ہیں بلکہ قارئین کے لیے بھی معلومات، آگہی اور ذہنی کشادگی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ایسے معاشروں میں، جہاں افراد کو بیرونی دنیا سے رابطے کے محدود مواقع میسر ہوں اور سماجی یا تہذیبی حدود نسبتاً سخت ہوں، وہاں سفر ناموں کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ایسے حالات میں دور دراز علاقوں کی تہذیب، رہن سہن، رسم و رواج اور قدرتی مناظر قارئین کے لیے غیر معمولی کشش رکھتے ہیں۔ وہ سفر نامے کے ذریعے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسافر نے اپنے سفر میں کن حالات کا سامنا کیا، کون سے مناظر دیکھے، کن لوگوں سے ملاقات کی اور اس سفر سے کیا تجربات اور مشاہدات حاصل کیے۔ یوں وہ افراد جو خود سفر کرنے سے محروم رہتے ہیں، سفر ناموں کے مطالعے کے ذریعے اپنے شوقِ سفر کو کسی حد تک تسکین دیتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"سفر نامے کا شمار اُردو زبان کی بیانیہ اصناف میں ہوتا ہے۔ سفر نامہ چونکہ چشم دید واقعات پر لکھا جاتا ہے اس لیے سفر اس کی اساسی شرط ہے".(۱)

قدیم زمانے سے سفر نامہ نگاری کی ایک مضبوط روایت موجود رہی ہے۔ عالمی ادب میں مارکو پولو، ابنِ بطوطہ، ابنِ جبیر اور ناصر خسرو کے سفر نامے اس صنف کی نمایاں مثالیں سمجھے جاتے ہیں۔ اُردو ادب میں یوسف کمبل پوش کو اولین سفر نامہ نگار قرار دیا جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ صنف مسلسل ارتقا پذیر رہی اور دورِ جدید میں اُردو نثر کی نمایاں اور مقبول اصناف میں شامل ہو چکی ہے۔ آج سفر نامہ نہ صرف معلومات فراہم کرتا ہے بلکہ تہذیبی، سماجی اور ادبی شعور کی تشکیل میں بھی مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی مقبولیت میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور یہ ناول اور

افسانے کے بعد اُردو ادب کی اہم ترین اصناف میں شمار ہونے لگا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی رقم طراز ہیں:

"اُردو سفر نامے کی اس مقبولیت کے پیش نظر یہ نوخیز صنف نثر اُردو کی مقبول ترین اصنافِ ادب یعنی ناول اور افسانے سے پہلو مارتی دکھائی دیتی ہے۔"(۲)

جدید دور میں سفر نامے کی صنف میں غیر پیشہ ورانہ سفر نامہ نگاروں کے علاوہ مستند اور عام قارئین نے بھی سفر ناموں کی طرف تخلیقی توجہ دی۔ سفر نامے کے بیانیے کو تخلیقی اسلوب میں پیش کرنے کا انداز نمایاں ہوا۔ سفر نامے میں ادبی انداز کی پیش کش کی گئی تشبیہ اور استعارے کے علاوہ علامتی اسلوب بھی اختیار کیا گیا اور اس صنف میں خواتین کی پیش قدمی نے اس صنف میں مزید رونق اور رعنائی پیدا کی بیگم اختر ریاض الدین کی آمد سے نئی چکا چوند پیدا ہوئی لیکن جب بیرون عاطف نے اس صنف کی طرف رجوع کیا تو آزادۂ فکری نے نئی لذتوں کو فروغ دیا اور خالص ادبی قسم کا سفر نامہ بھی اسی دورِ زریں میں ہی پروان چڑھا اس قسم کے سفر ناموں میں افسانوں اور کہانیوں جن میں ہر چیز پردے کے پیچھے سے دکھائی دیتی ہے اس کی بجائے سفر ناموں میں ادیبوں کے خاکے اور ادبی مباحث واضح پیش ہوتے ہیں اور اس طرح سیاحت کے وسیلے سے تعلقات عامہ کی زمین ہموار کی جاتی ہے اس قسم کے سفر ناموں میں بعض ادیبوں نے گم شدہ ماضی اور پرانی یادوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی کاوش کی ہے۔

اکیسویں صدی کے سفر ناموں میں جہاں دور دراز کے ملکوں کی تہذیب وثقافت سے آگاہی ہوتی ہے وہاں ماضی کے سفر ناموں کی نسبت جدید سفر ناموں میں لذت زیادہ ہے ماضی کے سفر ناموں میں ایک بھاری پن اور بوریت کا احساس محسوس ہوتا ہے جبکہ جدید سفر نامے میں میں نے افسانے کی طرح وسیع حلقہ اثر پیدا کیا ہے-ماضی قریب میں جب افسانے نے تجریدی اور علامتی رنگ اختیار کر لیا تو عام قاری نے افسانے کی طرف سے رخ موڑ لیا اس وقت جدید سفر نامہ ہی تھا جس نے افسانے کی طرف سے پیدا ہونے والے خلاء کو پُر کیا۔ اس طرح اکیسویں صدی کے سفر نامہ نگاروں نے تخلیقی انداز میں سفر نامے لکھ کر سیاحت کے تجربات کی تجدید کی۔ اس طرح سے افسانے میں پیدا ہونے والے خلاء اور ماضی میں لکھے گئے دقیق سفر ناموں کی بدولت ادبی دنیا میں جو قاری کی دلچسپی میں کمی واقع ہو رہی تھی اس کمی کو جدید سفر نامہ نگاری کی صنف نے پورا کیا اور قاری کو بھی اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کیا سفر نامے کی صنف اپنی اس تجدید کی بدولت اپنا یہ کردار آئندہ زمانے میں بھی پورا کرتی رہے گی بلکہ امید ہے کہ بدلتے زمانوں کے ساتھ سفر ناموں کی صنف میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی رہیں گی۔

لیکن جہاں تک سفر کے مقاصد کا تعلق ہے تو ہر افراد کے سفر کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے مثلاً مذہبی مقامات کی زیارت، تجارت، عزیز و اقارب سے ملاقات، ملازمت، سیر و تفریح وغیرہ کوئی بھی مقصد ہو سکتا ہے کیونکہ ہر انسان کی فطرت میں تجسس اور جاننے کی حس موجود ہوتی ہے لہذا جب سیاح سفر سے لوٹتے ہیں تو لوگ ان کے حالات وواقعات شوق سے سننے کے تمنائی ہوتے ہیں لوگوں کی اس دلچسپی کو دیکھ کر مصنف اپنے سفر نامے کو کتابی شکل میں لانے کی کاوش کرتا ہے۔ جدید دور میں سفر ناموں میں ہونے والی تبدیلیوں کے ضمن میں پروفیسر خالد محمود اپنی تنقیدی کتاب میں ماضی کے سفر ناموں کی عدم مقبولیت کی وجہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید eISSN:2789-6331 pISSN:2789-4169 Published: 30-06-2026
Volume 07, Issue 01 جلد07، شمارہ01

"اُردو کے ابتدائی دور کے سفر ناموں میں تاریخی اور جغرافیائی پہلو نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دور کے سفر نامہ نگاروں نے غیر جانب دارانہ انداز اختیار کرتے ہوئے مختلف ممالک اور اقوام کی تہذیبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی اور سماجی زندگی سے متعلق معلومات کو حتیٰ الامکان جامع انداز میں پیش کیا۔ انہوں نے واقعات اور مشاہدات بیان کرتے وقت غیر ضروری تخلیقی رنگ آمیزی سے اجتناب کیا اور حقائق پر مبنی اسلوب کو ترجیح دی۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں تحریر کیے جانے والے سفر ناموں میں اگرچہ معلومات کی فراہمی کا رجحان بدستور غالب رہا اور مختلف امور کو تاریخ اور جغرافیے کے تناظر میں بیان کرنے کی روایت برقرار رہی، تاہم اس دور کے سفر نامہ نگاروں نے اپنی شخصیت کو مکمل طور پر سفر نامے سے الگ نہیں رکھا بلکہ اپنے ذاتی تاثرات، آرا، پسند اور ناپسند کا اظہار بھی نہایت بے تکلفی اور وضاحت کے ساتھ کیا۔"(۳)

اگر پروفیسر خالد محمود کی رائے سے اتفاق کریں تو انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے پہلے نصف تک کے سفر ناموں میں یہ رجحان غالب نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر قدیم سفر ناموں میں "عجائباتِ فرنگ" یا "تاریخِ انگلستان" مولوی فصیح الدین، "سفر نامہ روم و مصر و شام" مولانا شبلی نعمانی، "سیر یورپ" نازلی رفیعہ بیگم، "سفر نامہ بغداد" منشی محبوب عالم، "سفر نامہ ہندوستان" خواجہ حسن نظامی، سفر نامہ حجاز" مولانا عبد الماجد دریا آبادی، "لندن سے آداب عرض" آغا محمد اشرف، اور "جاپان" ڈاکٹر محمد حسین تک 1947ء اُردو سفر ناموں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ ان سفر ناموں میں سفر ہے، قیام ہے، مناظر ہیں، نظارے ہیں، جغرافیہ ہے، تاریخ ہے، سیاسی و سماجی صورتِ حال ہے، اور معاشیات کے معاملات ہیں۔ ان میں ثقافتی و تہذیبی رنگا رنگی بھی موجود ہے۔ لیکن اگر ان میں کچھ نہیں ہے تو وہ مسافر کی ذاتیات، اس کی شان و شوکت، تعریف و تحسین، کارنامے اور بلند و بانگ دعوے یہ تمام اوصاف آزادی کے بعد کے سفر ناموں میں آہستگی سے داخل ہوئے ہیں۔ ہمارے بعض ناقدین اسے مثبت مانتے ہوئے سفر نامے کی روایت کی توسیع قرار دیتے ہیں اور اسے سفر نامہ نگاری کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ جبکہ ناقدین کا ایک دوسرا گروہ ان اوصاف کو منفی مانتا ہے۔ پروفیسر خالد محمود اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"روایتی یا قدیم سفر نامے اپنے اسلوب اور پیشکش کے اعتبار سے اُن خصوصیات سے محروم دکھائی دیتے ہیں جو جدید اور غیر روایتی سفر ناموں کا امتیاز سمجھی جاتی ہیں۔ قدیم سفر نامے ایک خاموش فلم کا تاثر دیتے ہیں، جہاں جذبات اور احساسات کا اندازہ محض ظاہری کیفیات اور تاثرات سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس جدید سفر نامہ نگار اپنے مشاہدات کو ایسی مؤثر زبان عطا کرتا ہے کہ بے جان اشیاء بھی گویا محسوس ہونے لگتی ہیں۔ قدیم سفر ناموں کا مسافر خارجی دنیا سے ایک محدود تعلق رکھتا ہے اور اشیاء کے باطنی اثرات یا اُن سے وابستہ لطیف احساسات کو پوری طرح محسوس نہیں کرتا۔ اس کے برعکس جدید سفر نامہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں خارجی مناظر اور واقعات

Research Journal Tahqeed تحقیق تحقیقی مجلہ eISSN:2789-6331 pISSN:2789-4169 Published: 30-06-2026

Volume 07, Issue 01 جلد07، شمارہ01

> سفر نامہ نگار کی داخلی کیفیات سے گہرا ربط پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ ہر منظر اور ہر تجربے میں اپنی ذات کی جھلک محسوس کرتا ہے، یہاں تک کہ تمام واقعات اس کی شخصیت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یوں سفر اور سفر نامہ نگار ایک دوسرے سے اس قدر ہم آہنگ ہو جاتے ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے دیکھنا ممکن نہیں رہتا۔"(۴)

تقسیمِ ہند کے اثرات اگرچہ اُردو ادب کی متعدد اصناف، خصوصاً شاعری، ناول، افسانے اور فکشن میں نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں، تاہم سفر نامہ اس حوالے سے ایک منفرد صنف ہے کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست زندگی کے حقیقی مشاہدات اور تجربات سے ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سفر نامہ دیگر اصناف کے مقابلے میں زندگی سے زیادہ قریب اور حقیقت کا زیادہ سچا عکاس ہے۔ تقسیمِ ہند کے دوران رونما ہونے والے المناک واقعات، ہجرت کی اذیت اور سرحدوں کو عبور کرنے والے مسافروں کے تجربات کو متعدد ادیبوں اور سفر نامہ نگاروں نے نہایت مؤثر انداز میں اپنے سفر ناموں کا حصہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیم کے کئی برس بعد تک بھی اس دور کی یادیں اور نوسٹلجیا سفر ناموں میں نمایاں طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں "سفر نامۂ پاکستان "از خواجہ حسن نظامی، "جزیروں کی سرگوشیاں "از بلراج کومل، "پاکستان یاترا "از جوگندر پال، "بھارت یاترا "از حمید احمد خان، "ایک طویل ملاقات "از وزیر آغا، "دو موسموں کا عکس "از جمیل زبیری، "اے ابِ رودِ گنگا "از رفیق ڈوگر، "ہند یاترا "از ممتاز مفتی، "ساحل اور سمندر "از احتشام حسین اور "نئے شہر پرانی بستیاں "از انتظار حسین نمایاں اہمیت رکھتے ہیں۔

تقسیمِ ہند کے بعد وطن کی یاد اور اس سے جذباتی وابستگی کو موضوع بنا کر بھی متعدد اہم سفر نامے تحریر کیے گئے۔ ان سفر ناموں میں صرف وطن کی یاد ہی نہیں بلکہ اس کی سرزمین، باغات، گلی کوچے، بچپن کی یادیں، دوست احباب اور مانوس ماحول کو نہایت دل نشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کا مطالعہ قاری کے دل میں اپنی مٹی اور اپنے وطن سے وابستگی کے احساس کو مزید گہرا کر دیتا ہے۔ خواہ پاکستان کے شہر اور دیہات ہوں یا ہندوستان کے گلی کوچے، دونوں کی تہذیبی اور معاشرتی فضا میں ایک مشترک رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ انسان اپنی جنم بھومی، اپنی سرزمین اور اپنی مٹی کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا۔ اسی احساس کی ترجمانی کرتے ہوئے انتظار حسین "نئے شہر پرانی بستیاں "میں لکھتے ہیں:

> "انتظار حسین کے اس اقتباس میں ماضی کے اُن شہروں کا ذکر کیا گیا ہے جو کبھی اپنے عروج اور شان و شوکت کے لیے معروف تھے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ویرانی کا شکار ہو گئے۔ مصنف کے نزدیک اگرچہ یہ شہر دوبارہ آباد نہ ہو سکے، تاہم انہوں نے اپنی تاریخی عظمت اور وقار کو برقرار رکھا۔ ان کے باقی ماندہ آثار آج بھی اپنے درخشاں ماضی کی گواہی دیتے ہیں اور یہ احساس دلاتے ہیں کہ تہذیبیں ختم ہو سکتی ہیں، مگر ان کی یادیں اور تاریخی شناخت ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ یہ اقتباس دراصل ماضی، تہذیبی ورثے اور انسانی وابستگی کے گہرے احساس کی عکاسی کرتا ہے۔"(۵)

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید
eISSN:2789-6331
pISSN:2789-4169
Published: 30-06-2026

Volume 07, Issue 01 جلد07، شمارہ01

سفر ناموں میں خاطر خواہ تبدیلیوں کا دور بیسویں صدی کے اواخر کا زمانہ ہے یہی وہ عہد ہے جب ایک طرف جدید دور کا اسلوب اور طرزِ سفر ناموں کو نہ صرف دلچسپی میں مزید جاذبیت عطا کرتا تھا بلکہ نت نئے طریقوں سے تبدیلی لا رہا تھا۔ دوسری طرف سفر ناموں میں تخلیقیت کے عناصر در آئے تھے۔ اس صنف میں تبدیلی کی شروعات قدرت اللہ شہاب سے ہوئی۔ ان کے نمائندہ سفر نامے "اے غزالِ شب"، ابنِ انشاء "چلتے ہو تو چین کو چلئے"، مرزا ادیب "ہمالہ کے اس پار"، بلراج کومل "جزیروں کی سرگوشیاں"، رام لال "زرد پتوں کی بہار"، ڈاکٹر وزیر آغا "ایک طویل ملاقات"، انتظار حسین "زمین اور فلک"، رفیق ڈوگر "اے آبِ رودِ گنگا"، ممتاز مفتی "لبیک"، صغرا مہدی "سیر کر دنیا کی"، حکیم سعید "غافل"، "از بکستان" وغیرہ ہیں۔ ان سفر ناموں میں نئے دور اور اندازِ بیان کی خاطر خواہ تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ کیونکہ ان سفر ناموں میں صرف واقعات کا بیان، عمارتوں، سڑکوں، اور محض موسموں کا حال ہی بیان نہیں کیا گیا بلکہ مسافر نئے رنگوں اور موسموں سے کھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اسلوب پر خاص توجہ دیتا ہے واقعات میں خود اپنی ذات کو برابر موجود رکھنے لگا۔ اس طریقے سے اگر وہ خود کہانی میں مرکزی کردار نہیں بھی رکھتا تو کم از کم اہم کردار پر فائز دکھائی دیتا ہے۔ سفر ناموں میں تخلیقی انداز جا بجا نظر آنے لگا۔ شعور کی رو اور تکنیک دکھائی دیتی ہے۔ کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کسی ناول یا افسانے کا حصہ ہو۔ معاصر سفر ناموں میں ان تبدیلیوں کی وجہ سے اکیسویں صدی کے سفر ناموں میں مزید جدیدیت کا رنگ اور اسلوب میں نکھار دکھائی دینے لگا۔ مثال کے طور پر کچھ سفر نامے اس کی مثال پیش کرتے ہیں: قاضی مشتاق احمد "اُڑانِ سفر نامہ" ۲۰۰۷ء، نثار عظیم "گردِ آوارگی" ۲۰۰۸ء، علی احمد فاطمی "یونان سے واپسی تک" ۲۰۰۷ء، ڈاکٹر نذیر فتح پوری "آثار و انوار" ۲۰۱۱ء، اسلم بدر "لالہ چودھری کے سفر نامے" ۲۰۱۵ء، مرتبہ ڈاکٹر رفیعہ سلیم "ہم بھی ہو آئے کراچی" ۲۰۱۶ء، فاروق سید "راہِ الفت میں گامزن" ۲۰۱۷ء۔ ان سفر ناموں میں ایک واضح تبدیلی یہ نظر آتی ہے کہ اب چھوٹے چھوٹے سفر نامے بھی تحریر ہونے لگے۔

پہلے سفر نامہ کو ناول کی طرح طویل ترین باب در باب رقم کیا جاتا تھا اور اس پاس کے شہر اور اپنے ملک کے شہروں کے سفر نامے تقریباً نہیں لکھے جاتے تھے بلکہ انہیں لائق اعتنا ہی نہیں سمجھا جاتا تھا کسی بڑے اور خوبصورت غیر ملک کے سفر اور سفر نامے کو نہ صرف اہمیت دی جاتی تھی بلکہ اشتیاق سے پڑھا جاتا تھا اب یہ تصورات یکسر تبدیل ہوئے ہیں تبدیلی کے ساتھ جدید سفر ناموں کی ادبی اور سماجی اہمیت و افادیت میں بھی اضافہ ہوا اور تہذیبی اور ثقافتی شعور بھی اجاگر ہونے لگا اور ان سفر ناموں نے ادبی اصناف میں اتنی اہمیت حاصل کر لی کہ نہ صرف انہوں نے ادبی اور سماجی اہمیت حاصل کی بلکہ ان پر تحقیقی مقالے بھی تحریر کیئے جا رہے ہیں بلکہ ملتے جلتے موضوعات پر تحریر کیئے جانے والے مقالات میں ضرورت کے مطابق ان کے حوالے بھی دیئے جاتے ہیں کسی عہد شخصیت یا مقالے کے تعلق سے مواد کی فراہمی میں سفر ناموں کو بھی تلاش کیا جاتا ہے ادھر اکیسویں صدی کے سفر ناموں کے اسلوب میں تخلیقیت کا رنگ بھی زیادہ ہے اسکی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بعض سفر ناموں کے خالق افسانہ نگار ہیں تو ان کے سفر ناموں میں افسانوی رنگ جھلک نمایاں ہے۔ مثال کے طور پر لالی چودھری اپنے سفر نامے میں کچھ اس طور پر رقم طراز ہیں:

> "میں نے سوچا کیسے فضول عہد میں زندگی بسر کر رہی ہوں مغلیہ دور میں ہوتی تو شاید اس دھرتی کے کسی کونے میں سنگ سرخ سے تراشا ہوا میرا بھی کوئی لال محل پر کف افسوس مل رہی تھی کہ سنگ مرمر کی گرد تھوں Silicon chip ہوتا پس اپنے سے دبی دبی سرگوشی ابھری تم اس منظر کا

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقیقد eISSN:2789-6331 pISSN:2789-4169 Published: 30-06-2026

Volume 07, Issue 01 جلد07، شمارہ01

حصہ بننا چاہتی ہو جہاں مجھے شانتی اور سکون کے چند لمحات کے لیے ترسے ہوئے صدیاں بیت گئی ہیں زندہ تھی تو شاید جہاں نے کبھی پوری نیند نہ سونے دیا ہمیشہ کچی نیند سے جگایا ابدی نیند سوئی تب بھی چین نصیب نہ ہوا آٹھوں پہر اس کی انمٹ محبت کی یادگار دیکھنے کے لیے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ شہنشاہ کی خواب گاہ سے لے کر اس کی آرام گاہ تک جو مجمع ہی مجمع ہے، سنو گی تو کلیجہ دہل جائے گا۔ آج کا دن یہاں رک جاؤ۔ ذرا شام گہری ہو لینے دو۔ ہو سکتا ہے ہمیں تنہائی کے چند لمحے میسر آ جائیں۔"(۶)

غرض یہ کہ سفر انسانی زندگی کا ایک فطری، لازمی اور ناگزیر عمل ہے۔ انسان کی ارتقائی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ حرکت اور جستجو ہی اس کی بقا، ترقی اور تہذیبی ارتقا کا بنیادی وسیلہ رہی ہیں۔ اگر زندگی سے سفر، حرکت اور تلاش کا عنصر نکال دیا جائے تو انسانی وجود جمود، تعطل اور فکری انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ سفر کے بغیر زندگی اپنی معنویت کھو دیتی ہے اور انسان کی تخلیقی و تہذیبی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ انسان اور کائنات کی تخلیق کے ساتھ ہی سفر کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ حضرت آدمؑ کے زمین پر نزول سے لے کر آج کے جدید دور تک انسان مسلسل سفر کی حالت میں ہے۔ ابتدا میں یہ سفر بقا، خوراک اور تحفظ کی خاطر تھا، بعد ازاں یہی سفر علم، تجارت، تبلیغ، تہذیب، سیاحت، تحقیق اور تمدنی روابط کا ذریعہ بنتا گیا۔ یوں سفر نے انسان کو نئے تجربات، مختلف تہذیبوں، متنوع ثقافتوں اور گوناگوں معاشرتی اقدار سے روشناس کرایا۔ حقیقت یہ ہے کہ سفر محض ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے کا نام نہیں بلکہ یہ انسانی شعور کی وسعت، فکر کی بالیدگی اور شخصیت کی تعمیر کا مؤثر وسیلہ ہے۔

اسی انسانی فطرت اور ازلی جذبۂ جستجو نے سفر نامہ نگاری کو جنم دیا، جو وقت گزرنے کے ساتھ اُردو ادب کی ایک اہم، مؤثر اور باوقار صنفِ ادب بن گئی۔ آج سفر نامہ محض سفری روداد نہیں بلکہ انسانی تہذیب، ثقافت، تاریخ، سماج اور تمدنی ارتقا کا زندہ دستاویز ہے، جس میں سفر حرکت، تبدیلی، آگہی اور انسانی ارتقا کی علامت بن کر سامنے آتا ہے۔ اسی لیے انور سدید نے بھی حرکت کو سفر کی بنیاد قرار دیا ہے:

"زندگی اپنی فطرت میں مسلسل حرکت اور تغیر کا نام ہے، اسی لیے سفر کو بھی زندگی کی علامت اور استعارہ قرار دیا جاتا ہے۔ قدیم حکماء کے نزدیک انسانی زندگی ایک ایسے سفر کی مانند ہے جس کا آغاز ازل سے ہوتا ہے اور جس کا تسلسل ابد تک قائم رہتا ہے۔ حضرت آدمؑ کی داستانِ حیات میں شجرِ ممنوعہ کا واقعہ بظاہر حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی اور انسان کی پہلی لغزش کی نشاندہی کرتا ہے، لیکن اس کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اسی واقعے کے نتیجے میں حضرت آدمؑ کو جنت سے زمین پر آنا پڑا اور یوں انسانی سفر کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس اعتبار سے حضرت آدمؑ کا یہ پہلا سفر انسانی نسل کے ارتقا اور دنیاوی زندگی کی ابتدا کی علامت بن جاتا ہے۔ اسی لمحے سے انسان کی فطرت میں سفر، جستجو اور مسلسل حرکت کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ آج تک جاری ہے۔"(۷)

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید
eISSN:2789-6331
pISSN:2789-4169
Published: 30-06-2026

Volume 07, Issue 01 جلد 07، شمارہ 01

ابتدا سے ہی انسان کی فطرت میں جستجو، سیاحت اور نئے مقامات کی دریافت کا جذبہ موجود رہا ہے۔ یہی جذبہ رفتہ رفتہ سفر نامہ نگاری کی صورت میں ایک باقاعدہ ادبی صنف کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اُردو ادب میں سفر نامہ ابتدا میں محض مشاہدات، راستوں، مقامات اور سفری حالات کے بیان تک محدود تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس کی فنی اور فکری جہات میں نمایاں وسعت پیدا ہوئی۔ ابتدائی سفر ناموں میں اسلوب کی سادگی، معلوماتی انداز اور فنی ناہمواری نمایاں تھی، تاہم ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے یہ صنف نہ صرف اس خامی سے باہر آئی بلکہ ادبی لطافت، فکری گہرائی اور جمالیاتی حسن سے بھی آراستہ ہو گئی۔ آج سفر نامہ اُردو ادب کی ایک توانا، معتبر اور ہمہ گیر تخلیقی صنف کے طور پر اپنی شناخت قائم کر چکا ہے۔ خصوصاً بیسویں صدی کے آخری عشروں میں اُردو سفر نامے نے ایک نئی سمت اختیار کی۔ اس دور کے سفر نامہ نگاروں نے روایتی اندازِ تحریر سے انحراف کرتے ہوئے محض مقامات، راستوں اور تاریخی معلومات کے بیان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے ذاتی تجربات، داخلی احساسات، نفسیاتی کیفیات اور تہذیبی مشاہدات کو بھی سفر نامے کا حصہ بنایا۔ اس تبدیلی نے سفر نامے کو محض معلوماتی تحریر کے بجائے ایک ادبی اور تخلیقی اظہار کی صورت عطا کی، جس میں مشاہدے اور تجربے کے ساتھ ساتھ مصنف کی شخصیت، اس کا زاویۂ نظر اور اس کی فکری بصیرت بھی نمایاں ہونے لگی۔ اس دور میں بین الثقافتی مکالمہ، تہذیبی تقابل، معاشرتی تجزیہ اور انسانی رویوں کی تفہیم جیسے رجحانات بھی سفر نامہ نگاری کا حصہ بن گئے۔

اکیسویں صدی میں اُردو سفر نامہ اپنے فنی، فکری اور اسلوبی ارتقا کی نئی منزلوں سے ہم کنار ہو چکا ہے۔ عصرِ حاضر کے سفر نامے محض سفر کی روداد، مقامات کی منظر کشی یا تاریخی معلومات کی فراہمی تک محدود نہیں رہے بلکہ وہ انسانی تہذیب، ثقافت اور تمدنی شعور کے عکاس ادبی متون کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ ان سفر ناموں میں مختلف اقوام کے رسم و رواج، سماجی اقدار، مذہبی رویے، سیاسی حالات، معاشی نظام، تعلیمی ڈھانچے، ماحولیاتی مسائل اور سائنسی و تکنیکی ترقی کے اثرات کا نہایت باریک بینی اور تنقیدی شعور کے ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس طرح جدید سفر نامہ ایک ایسے علمی و ادبی وسیلے کی صورت اختیار کر گیا ہے جو قاری کو دنیا کے مختلف معاشروں کی فکری، تہذیبی اور ثقافتی ساخت سے آگاہ کرتا ہے۔

عصرِ حاضر کا سفر نامہ نگار محض ایک سیاح نہیں بلکہ ایک حساس مشاہد، تجزیہ نگار اور ثقافتی مبصر بھی ہوتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات کو محض واقعاتی انداز میں بیان کرنے کے بجائے ان کی تعبیر و تشریح کرتا ہے، مختلف معاشرتی رویوں کا تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے اور تہذیبوں کے باہمی ربط، اختلاف اور اشتراک کو علمی بصیرت کے ساتھ واضح کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکیسویں صدی کے اُردو سفر ناموں میں بین الثقافتی مکالمہ، تہذیبی شناخت، عالمی شہریت، انسانی حقوق، کثیر الثقافتی معاشروں کی تشکیل اور بین الاقوامی تعلقات جیسے موضوعات بھی نمایاں حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ جدید اُردو سفر ناموں کا ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ ان میں مصنف کا انفرادی شعور اور فکری زاویۂ نظر پوری قوت کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے۔ سفر نامہ نگار اپنے مشاہدات کے ذریعے نہ صرف بیرونی دنیا کی تصویر کشی کرتا ہے بلکہ اپنے معاشرے، تہذیب اور ثقافتی اقدار کا تقابلی جائزہ بھی پیش کرتا ہے۔ اس تقابل کے نتیجے میں قاری کو مختلف تہذیبوں کے امتیازات اور مشترکہ انسانی اقدار کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ یوں اکیسویں صدی کا اُردو سفر نامہ محض ادبی تفریح یا معلومات کی فراہمی کا ذریعہ نہیں بلکہ فکری بالیدگی، تہذیبی شعور، ثقافتی آگہی، بین الاقوامی ہم

آہنگی اور انسانی قدروں کے فروغ کا ایک مؤثر اور بامقصد وسیلہ بن چکا ہے۔ یہی خصوصیات اسے سابقہ ادوار کے سفر ناموں سے ممتاز کرتی ہیں اور اُردو ادب کی معاصر تخلیقی روایت میں ایک منفرد، مؤثر اور باوقار مقام عطا کرتی ہیں۔

موضوعاتی تنوع اور جغرافیائی وسعت نظر آنے لگی مقامی سفر ناموں سے ہٹ کر یورپی سفر نامے اور دوسرے ممالک کے سفر ناموں کے ساتھ ساتھ پاکستان کے دور دراز اور نامعلوم علاقوں کو بھی موضوع بنایا گیا وہاں کی تہذیب و ثقافت، مقامی بولیوں، لوک کہانیوں اور تاریخی روایات کو محفوظ کرنے کی تکنیک اپنائی گئی جدید سفر ناموں میں تہذیبی اور ثقافتی شعور کی گہرائی کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش کا اظہار بھی کھل کر نظر آنے لگا اسلوب اور زبان میں تبدیلی واقع ہوئی سادہ اور سلیس زبان کا استعمال ہونے لگا اس کے علاوہ ادبی لطافت اور طنز و مزاح بھی سفر ناموں میں شامل کیا گیا شعری انداز، ماحولیاتی شعور اور قدرتی حسن، قدرتی مناظر کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی تباہی کا المیہ گلوبل وارمنگ کے اثرات کا ذکر سفر نامہ نگار بھی بے دھڑک ہونے لگا۔ سیاسی و سماجی تنقید کے علاوہ استعماری اثرات بھی سفر ناموں میں دکھائی دینے لگے۔ انتظار حسین نے "چاند گہن" میں برطانوی استعماریت کے اثرات اور صہیونی تحریک کی کارستانیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"فلسطین کا المیہ دراصل استعمار کی دین ہے۔ انگریزوں نے عربوں سے وعدہ کیا اور یہودیوں کو ملک دے دیا۔"(۸)

اکیسویں صدی کے اُردو سفر ناموں میں موضوعاتی تنوع اور فکری وسعت نمایاں طور پر بڑھ گئی ہے۔ سفر نامہ نگار اب محض قدرتی مناظر، تاریخی مقامات یا سفری تجربات تک محدود نہیں رہتا بلکہ مختلف ممالک کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کا بھی گہرا مشاہدہ پیش کرتا ہے۔ چنانچہ آمریت اور جمہوریت جیسے سیاسی نظاموں کا تقابلی جائزہ، طبقاتی تفاوت، معاشی ناہمواری، خواتین کی سماجی حیثیت، انسانی حقوق، ہجرت، عالمی امن، ماحولیاتی تبدیلی اور جدید ٹیکنالوجی کے اثرات بھی معاصر سفر ناموں کے اہم موضوعات بن چکے ہیں۔ اسی طرح ڈیجیٹل دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر سفر نامہ نگاری میں فوٹو گرافی، بصری دستاویزات اور دیگر سمعی و بصری ذرائع کے استعمال نے اس صنف کو مزید مؤثر، مستند اور دل چسپ بنا دیا ہے۔

ان تمام تبدیلیوں کے نتیجے میں معاصر اُردو سفر نامہ محض سیر و سیاحت کی روداد نہیں رہا بلکہ انسانی معاشروں کے اجتماعی شعور، تہذیبی رویوں، ثقافتی تنوع اور عالمی حالات کا ایک معتبر ادبی و فکری دستاویز بن گیا ہے۔ آج کا سفر نامہ قوموں کے دکھ سکھ، جنگ و امن کی صورتِ حال، تہذیبوں کے تصادم اور مکالمے، انسانی مسائل اور بین الثقافتی روابط کی نہایت حساس اور بصیرت افروز عکاسی کرتا ہے۔ یوں اُردو سفر نامہ نگاری اپنی ابتدائی معلوماتی اور واقعاتی روایت سے آگے بڑھ کر ایک باشعور، تنقیدی اور تخلیقی ادبی صنف کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، جہاں سفر صرف مقامات کی تبدیلی کا نام نہیں بلکہ انسان، تہذیب، تاریخ اور وقت کے باہمی رشتوں کو سمجھنے اور ان کی تعبیر پیش کرنے کا ایک مؤثر وسیلہ بن جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں سفر نامہ، لاہور، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ص: ۱۵۴

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید eISSN:2789-6331 pISSN:2789-4169 Published: 30-06-2026

Volume 07, Issue 01 جلد07، شمارہ01

۲۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، ص:۱۸۹

۳۔ خالد محمود، پروفیسر، اُردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۵ء، ص:۸۵

۴۔ ایضاً، ص:۴۰

۵۔ انتظار حسین، نئے شہر پرانی بستیاں، لاہور، سنگِ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۹ء، ص:۹۰

۶۔ راقم سلیم، ڈاکٹر، مرتب، دلی ایک شہر آرزو، لالی چودھری کے سفر نامے، ص:۴۷

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں سفر نامہ، لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ص:۱۹۳

۸۔ انتظار حسین، چاند گہن، لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، ص:۷۰